Biannual Research Journal
AL-IDAH
Published by
SHAYKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
UNIVERSITY OF PESHAWAR
PESHAWAR PAKISTAN
ISSN (Print) : 2075-0307
ISSN (Online) : 2664-3375
OPEN ACCESS
ششماہی تحقیقی مجلہ
الإيضاح
شیخ زاید مرکز اسلامی جامعہ پشاور
www.al-idah.pk
Vol:42 ISSUE:II
July-Dec 2024

جمالیاتِ قرآن مجید: نمایاں خصوصیات کا تجزیاتی مطالعہ

Aesthetic Aspects of the Holy Quran: An Analvtical Studv of Prominent Features

Issue: *https://www.al-idah.pk/index.php/al-idah/issue/view/41*
URL: *https://www.al-idah.pk/index.php/al-idah/article/view/907*
Article DOI: *https://doi.org/10.37556/al-idah.042.02.0907*

Author (s) :
Usama Hayat
Mphil Scholar, Department of Islamic Studies, National University of Modern Languages, Islamabad, Email: usamahayat2000@gmail.com
Muhib Ur Rahman
Lecturer, Modern Language School & Collage, Islamabad, Email: mhbrehman@gmail.com

How to Cite **:** *Usama Hayat and Muhib Ur Rahman 2024. Aesthetic Aspects of the Holy Quran: An Analytical Study of Prominent Features. Al-Idah . 42, -2 (Dec. 2024), 181 - 213.*

Publisher **:** *Shaykh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar, Al-Idah – Vol: 42 Issue: II/ July – Dec 2024/ P. 181 - 213.*

Article History:

Received on:	***08 – Nov - 2024***
Accepted on:	***02 – Dec - 2024***
Published on:	***31 – Dec - 2024***

This work is licensed under a Creative Common Attribution 4.0 International License
Author(s) declared no conflict of interest

Abstract & Indexing
Islamic Research Index
HEC Approved Research and Indexing Agency
Australian Islamic Library
Crossref
DOAJ Directory of Open Access Journals
International Scientific Indexing
Index Copernicus International

Abstract:
This study delves into the aesthetic dimensions of the Quran, emphasizing its unparalleled eloquence and literary mastery. It highlights the Quran's ability to present examples with precision, craft meaningful narratives, and create an emotional and intellectual impact through its unique style. The research explores how the Quran's structure connects words and ideas seamlessly, animates static concepts, and inspires movement in thoughts. These qualities underline the Quran's role as a profound source of beauty and elegance in literary and spiritual domains.
Keywords: *Concept of Coherence, Qur'an, Ghamidi, Critical Analysis*

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

تعارف

جمالیات کے تمام پہلوں سے قرآن مجید ایک جامع اور بے مثل کتاب ہے۔اس کے اعجاز کے کئی پہلو ہیں۔ چاہے وہ اعجاز لفظی ہو یا معنوی یا لفظی حسن ہو یا ربط و تنسیق کا پہلو، ماضی کے اخبار ہو یا مستقبل کے، ان تمام گوشوں کے لحاظ سے قرآن مجید لا جواب، جامع اور اس کا حسن مسلم ہے۔ حرکی حسن، اسلوب کا سحر طرازی، جمال صوتی اور موسیقیت، منظر کشی اور تصویر نگاری، تخییل، تشخیص، تجسیم، قصہ گوئی میں دین و فن کا حسین امتزاج، واقعہ نکاری، جذبات واحساسات کی تصویر کشی، موزونیت اور اعتدال جیسے خصوصیات، فنیات اور صفات کی جامع ہدایت نامہ ہے۔ یہ مقالہ ان تمام پہلووں پر روشنی ڈالتا ہے۔

بیان مسئلہ

قرآن مجید پر ایک نظر ڈالیں تو یہ سارا حسن ہی حسن اور جمال ہی جمال ہے۔اس کو پڑھے بغیر جمال کو سمجھنا شاید ممکن نہیں۔اس لیے اس کو ایک طرف رکھ کر جنہوں نے جمال یا جمالیات پر کچھ لکھا، انہوں نے حُسن و قبح کی ماہیت کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔قرآن مجید کے طرز بیاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال کو کس طرح عمدگی سے بیان کیا جا سکتا ہے؟اس کے قصص سے اندازہ ہوتا ہے کہ قصے کو کس طرح بامقصد بنایا جا سکتا ہے؟ اسلوبِ تحریر کیسا ہونا چاہیے؟الفاظ میں زور اور جذبات میں شور کیسے پیدا کیا جائے؟ لفظ کو لفظ کے ساتھ اور کلام کو کلام کے ساتھ کیسے مربوط کیا جائے؟کسی جامد چیز کو کیسے متحرک بنایا جائے؟ خیال کو کیسے حرکت دی جائے؟ وغیرہ۔ قرآن کی یہی خصوصیاتِ جمال ہیں، جن پر اس مقالہ میں بحث کی گئی ہے۔

سوالاتِ تحقیق

قرآن مجید کے حسن و جمال کے کون کون سے پہلو ہیں؟

قرآن مجید کن کن پہلوؤں سے اعجاز کا جامع ہے؟

قرآن مجید کے واقعہ نگاری، تخییل و تجسیم اور منظر کشی جیسے اسلوب کو کیسے تلاش کیا جاسکتا ہے؟

مقاصدِ تحقیق

قرآن مجید کے حسن و جمال کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا

قرآن مجید کے اعجازی جوانب کو متعارف کرانا

قرآن مجید کے واقعہ نگاری، تخییل و تجسیم اور منظر کشی جیسے اسلوب کی نشاندہی کرنا

تمہید

کلام الملوک ملوک الکلام کا حقیقی مصداق اگر کوئی کتاب ہے تو وہ قرآن مجید ہے۔ حسین و جمیل خالق کا کلام قرآن مجید، ایک حسین و جمیل انسان حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ ایسا کلام جو نہ تو شعر ہے نہ ہی نثر، بلکہ کچھ اور ہے۔ اسلوب ایسا کہ سننے والا مسحور ہو کر بے اختیار " اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا "[1] کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مقابلہ کرنے والے بڑے بڑے بزرجمہر " فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ "[2] سے مات کھاتے ہیں تو نیا چیلنج دیا جاتا ہے "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ "[3] پھر بھی منہ کی کھاجاتے ہیں، تو نیا چیلنج سامنے پاتے ہیں " فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ "[4] لیکن زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں، عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور منطق کے میدان میں ہار کر کلامِ الٰہی سے تر زبانوں کو کاٹنے کے لیے تلوار کی نوک کا سہارا لیا جاتا ہے، لیکن جس نوکِ زبان کو اس کلام کا ذائقہ ایک دفعہ ملا ہو، بھلا وہ نوکِ شمشیر سے ڈر کر کب خاموش ہو سکتی ہے۔ قصہ غرانیق اس بات کا شاہد ہے کہ یہ کلام، کسی بشر کا کلام نہیں، بھلا کلام بشر کو سن کر بھی کبھی کسی نے بے اختیار سجدہ کیا ہے؟ جمالِ اسلوب کے ساتھ یہ صوتی جمال لازم و ملزوم ہے، بس وہ حِس لازمی ہے، جسے حسِ جمال کہتے ہیں، اس حِس کا ذوق اگر ماحول نے بگاڑا نہ ہو، تو وہ اس صوتی جمال کا ذائقہ چکھ کر رہتا ہے۔

نزولِ قرآن کے ساتھ دنیا کو اتنی چیزیں ملی ہیں، جن کا حساب کرنا شاید ممکن نہیں۔ اگر احکام، قوانین اور ہدایات کو چھوڑ کر صرف ان کا جائزہ لیا جائے، تو وہ بھی تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ نزول قرآن کے ساتھ حفظِ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا اور انسانوں کے ذہن کلامِ الٰہی سے منور اور مزیّن ہوئے۔ اس کے بعد علمِ تفسیر اور علوم القرآن جیسے علوم اس کتاب کی بدولت انسانیت کو ملے۔ کتابتِ قرآن کے ساتھ ہی فنِ خطاطی نے جنم لیا اور متعدد نئے خطوط ایجاد ہوئے۔ قرآن کی آیات سے پہلے انسانی ذہن مزین ہوئے اور پھر در و دیوار پر قرآنی شاہکار تحریر ہوئے اور جدید

ٹیکنالوجی سے مسلح مسلم ماہرین نے اس کو چار چاند لگا دیئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ صوتی جمال پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا کوئی دن نہیں گزرتا کہ دنیا کے کسی ملک میں حسنِ قراءت کا مقابلہ منعقد نہ ہوتا ہو، جہاں ایسی ایسی آوازیں سننے کو ملتی ہیں کہ بندہ بے اختیار لحنِ داؤدی کی فضاؤں میں پہنچ جاتا ہے، جہاں پرندوں اور پہاڑوں کی مترنم آوازیں پردہ سماعت سے ٹکراتی ہیں۔

قرآن مجید کا حرکی نظریہ حسن

قرآن مجید خالق کائنات کے شانِ ملوکیت کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾ (5) "ہر آن وہ نئی شان میں ہے"۔

اور یہ کہ وہ ایسی نت نئی چیزوں کو پیدا کرتا رہے گا، جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿و يَخْلُقُ ما لَا تَعْلَمُونَ﴾ (6)

"اور وہ ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے / کرے گا، جو تم جانتے ہی نہیں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خالق خود ہر لمحے ایک نئی شان میں ہے۔ جو خود نورِ مطلق ہے، تو باقی کائنات جو کہ اس کے نور سے منور ہے وہ بھی ہر لمحے بدلتی رہتی ہے۔ جب کائنات مسلسل پھیل رہی ہے، جب ہر لمحہ کوئی نہ کوئی نئی چیز پیدا ہو رہی ہے تو ظاہر ہے کہ ان اشیاء کا حسن بھی حالتِ حرکت میں ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جس طرح انسان مسلسل حالتِ ارتقاء میں ہے تو اس کا ذوق جمال بھی مسلسل ارتقاء کر رہا ہے اور وہ اپنے حسِ جمال کی تسکین کی خاطر نت نئی چیزیں ایجاد کر رہا ہے، خواہ وہ ملبوسات ہوں یا مشروبات و ماکولات، سفر کے لوازمات ہوں یا رہائشی سہولیات اور تزئینیات۔

سحر طراز اسلوب قرآن

قرآن مجید کا اسلوبِ بیان واقعی سحر انگیز ہے۔ اس نے اپنوں کو بھی اس سحر میں جکڑا ہوا ہے اور غیروں کو بھی۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس نے اس کو سنا بھی نہیں ہوتا، جب وہ اس کو پہلی مرتبہ سنتے ہیں، تو بے اختیار روتے ہیں یا کسی اور عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضور ﷺ کی قراءت سنی، تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور میں رونے لگ گیا۔ یہ ان کا مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اسی طرح انہوں نے جب اپنی بہن فاطمہ کو مار کر لہولہان کر دیا اور پھر کچھ دیر ان سے مکالمہ کے بعد ان

اوراق کو دیکھا، جس میں سورت طٰہٰ مرقوم تھی۔ ابھی چند آیات کی تلاوت ہی کی تھی کہ پکار اٹھے "یہ کس قدر عمدہ کلام ہے"۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اسی طرح ولید بن مغیرہ کو جب قریش نے رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کے لیے بھیجا اور آپ ﷺ نے انہیں قرآن کا کچھ حصہ سنایا، تو قریش کے پاس جا کر اس کی زبان سے بڑے تاریخی الفاظ نکلے اگرچہ وہ مسلمان نہیں ہوا، لیکن وہ الفاظ آج بھی قرآن کی عظمت کی دلیل ہیں۔ اس نے کہا:

> خدا کی قسم! قرآن میں شیرینی پائی جاتی ہے۔ یہ تر و تازہ کلام ہے۔ یہ ہر چیز کو مغلوب کر دیتا ہے۔ یہ سب سے ارفع و اعلیٰ ہے اور کوئی چیز بھی اس سے بلند تر نہیں۔ قرآن میں جادو کا اثر پایا جاتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ ایک آدمی کو اس کے احباب واعزہ سے جدا کر دیتا ہے۔ (7)

قرآن مجید نے کس طرح لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا؟ عیسائیوں کا وفد جب رسول اللہ ﷺ سے مکالمہ کے لیے آیا اور رسول ﷺ سے قرآن سنا، تو اس قدر متاثر ہوا کہ وفد کے سارے ارکان رونے لگے اور گواہی دی کہ یہ واقعی کلامِ حق ہے۔ ان کے اس منظر کو قرآن نے یوں محفوظ کیا ہے:

> ﴿ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ (8)
>
> "اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے پچھلے) پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (اللہ کی جناب) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے"۔

یہ اس وجدانی تاثر کی منظر کشی ہے، جو سماعِ قرآن سے ان میں پیدا ہوا اور پہچانِ حق میں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن حق کو پیش کرنے کے لیے جو طرز و انداز اختیار کرتا ہے، وہ اثر کیے بنا نہیں رہتا۔ پچھلی آسمانی اور الہامی کتب سے شناساؤں نے جب قرآن مجید کو سنا، تو بے اختیار سجدے میں گر پڑے، جیسا کہ قرآن مجید بیان کرتا ہے:

> ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ (9)
>
> "جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے، جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا"۔

ہٹ دھرمی اور عناد سے پاک دل و دماغ اس کتاب کی حیرت انگیزی اور پُر تاثیری کا اقرار خود کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید بیان کرتا ہے:

﴿ اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ (10)

''اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی (ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں''۔

ان آیات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں وہ تاثیر موجود ہے، جو وجدان کو متاثر کرتی ہے، احساسات و جذبات میں ہیجان پیدا کرتی ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں باندھ دیتی ہے۔ جو لوگ ایمان لانے کے آرزومند ہوتے ہیں وہ قرآن کو سنتے ہی اس کے سامنے اپنا سرِ نیاز جھکا دیتے ہیں۔ جو لوگ کبر و غرور کے مارے اپنے آپ کو اس سے بالاتر سمجھتے ہیں اور قرآن کو کبھی جادو سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی دوسروں کو اس کے نہ سننے کی ترغیب دیتے ہیں، وہ بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر قرآن کے عظیم اعجاز کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ولید نے جس کو سحر کہا وہ قرآن کے تشریعی احکام اور علوم کونیہ کے سوا کسی دوسرے مظہر میں پوشیدہ ہے کیونکہ تشریعی امور ابھی مکمل نازل نہیں ہوئے تھے، اس لیے وہ مظہر قرآن مجید کی نسق و ترتیب اور فنی حسن و جمال ہے، جس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ خصوصاً ان مختصر سورتوں میں جو ابتدا میں نازل ہو رہی تھیں (11)۔

سید مودودیؒ قرآن مجید کا ادبی جمال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین انداز بیان میں ادا کیا گیا ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایہ بیان نیا ہے جس سے تکرار کی بد نمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ اول سے لے کر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے جیسے نگینے تراش تراش کر جڑے گئے ہوں۔ کلام اتنا مؤثر ہے کہ کوئی زبان داں آدمی اسے سن کر سر دھنے بغیر نہیں رہ سکتا، حتیٰ کہ منکر اور مخالف کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ ۱۴ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو در کنار، جس کے قریب بھی عربی زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں نہیں پہنچتی۔ یہی نہیں، بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ ۱۴ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیار فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا، حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املاء، انشاء، محاورے، قواعد زبان اور استعمال

الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ لیکن یہ قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا۔ اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے۔ اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔ اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے، اور تقریر و تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو ۱۴ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے ؟"[12]۔

قرآن مجید کا صوتی جمال

اعجاز و حکمت اور دوسرے مختلف اوصاف اور خوبیوں کے علاوہ قرآن کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ایک عجیب قسم کا صوتی حسن و جمال اور آہنگ پایا جاتا ہے۔ یہ حسن و جمال قرآن مجید کا اپنا اعجاز ہے۔ قرآن کا ایک ایک لفظ دلکش ہے۔ اس کی ہر ایک آیت سے ایک نغمہ پھوٹتا نظر آتا ہے، جس سے ہمارے احساسات و جذبات ہی مترنّم نہیں ہوتے بلکہ اس کے سبب کائنات کی پوری فضا ترنّم سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید اوزان و قوافی اور شاعری کی عام قیود سے آزاد اور ہر طرح کے تصنّع و تکلف سے پاک ہے۔ اس کے باوجود اس کی ہر آیت میں کچھ ایسا داخلی ترنّم پایا جاتا ہے، جس کے مقابلے میں سارے ہی ارضی نغمات پھیکے اور بے کیف معلوم ہوتے ہیں[13]۔

منظر کشی اور تصویر نگاری

قرآن مجید نے اپنے انداز و اسلوب میں منظر نگاری اور تصویر کشی کے طریقے کو اپنایا ہے۔ اس لیے تصویر کشی قرآنی تعبیر و بیان کے لیے اصل واساس کا حکم رکھتی ہے۔ یہ قرآن مجید کی ایسی خاصیت ہے، جس کو قرآن کا محقق اس کے ایک ایک جزو میں موجود پائے گا۔[14] یہ تصویر نگاری یا منظر کشی تین طریقوں سے کی جاتی ہے۔ کہیں پر انہیں ایک جگہ بھی لایا جاتا ہے اور قرآن مجید کے حسن کو چار چاند لگائے جاتے ہیں۔ یہ تین طریقے تخییل، تجسیم اور تشخیص درج ذیل ہیں:

تخییل

اکثر قرآنی تصاویر میں بظاہر یا پوشیدہ حرکت پائی جاتی ہے۔ اسی حرکت کی وجہ سے ان میں زندگی کی نبض تیز ہوتی ہے اور حرکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسانی وجدان میں جو زندگی پوشیدہ ہے، وہ بھی اسی حرکت پر مبنی ہے۔ اسی حرکت کو ہم تخییلِ حسی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قرآنی تصویر کا مدار و انحصار اسی حرکت پر ہے۔ یہ حرکت ہر تصویر میں اسی طرح موجود ہے، جس طرح زندگی رنگ و شکل کے اختلاف کے باوجود مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہے[15]۔

اس حرکت پذیری کو قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (16)

''کہہ دو اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کی سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے۔

اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اس کی مدد کو لائیں''۔

اس آیت کی تلاوت سے دائمی حرکت کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے، قوت متخیلہ اس کو پیش نظر رکھتی ہے اور وہ سمندر کے پانی سے صفاتِ الٰہی تحریر کرنے میں پائی جاتی ہے۔ یہ حرکت نہ تو کہیں ٹھہرتی ہے، نہ ختم ہوتی ہے۔ بجز اس کے کہ سمندر کا پانی ختم ہو جائے اور اس طرح یہ حرکت اتمام کو پہنچے (17)۔

تجسیم

تجسیم سے مراد یہ ہے کہ جو امور مادی اجسام (معنویات مادہ) سے خالی ہیں، ان کو مجسم انداز میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید اس ضمن میں بڑی دور تک پہنچتا ہے، حتیٰ کہ جن امور کو مادہ سے الگ رکھنا ضروری ہے اور دین اسلام ان کی تجرید پر بڑا زور دیتا ہے، بعض اوقات ان کو بھی مجسم شکل میں پیش کیا جاتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات۔ اس سے یہ بات قطعی کھل کر سامنے آتی ہے کہ تجسیم کے انداز کو قرآن مجید میں دیگر اسالیب پر ترجیح دی گئی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ متنبہ کیا گیا ہے کہ تجسیم کا طریقہ بعض اوقات خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے (18)۔

تجسیم کی ایک خوبصورت مثال ہم قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ملاحظہ کر سکتے ہیں:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا ﴾ (19)

''جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پائے گا اور اس کی برائی کو بھی دیکھ لے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش اس میں اور اس برائی میں دور کی مسافت ہو جاتی''۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال کو جو کہ ایک غیر مجسم معنوی چیز ہے، محسوس اور مادی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ اس کا نام تجسیم ہے۔ یا یہ کہ اعمال ایک شخص کی طرح بذاتِ خود حاضر ہوں گے۔ (20)

تشخیص

یہ تخییل کی ایک قسم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو اشیاء زندگی سے عاری ہیں، ان کو زندگی سے بہرہ ور کیا جائے۔ یا فطری مناظر اور وجدانی تاثرات و انفعالات کو زندہ اور محسوس شکل میں پیش کیا جائے۔ بعض اوقات اس زندگی کو ترقی دے کر حیاتِ انسانی کی طرح بنا دیا جاتا ہے۔ ان بے جان اشیاء میں انسانی جذبات و احساسات اور حرکات

کو پیدا کر دیا جاتا ہے، جس کی بنا پر یہ انسانوں کے زمرہ میں آجاتے ہیں۔ انسانوں سے لین دین کے معاملات کرتے ہیں۔ ان کے سامنے مختلف قسم کے رنگ و لباس میں رونما ہوتے ہیں۔ حتی کہ انسان ہر چیز کو زندہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس کو وہ اپنی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے یا حواس سے محسوس کر سکتا ہے[21]، جیسا کہ درج ذیل آیت میں صبح کو سانس لیتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے:

﴿ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ [22]

''اور صبح کی قسم جب سانس لیں''۔

اور رات دن کو تلاش کرنے کے لیے تیزی سے اس کے پیچھے بھاگ رہی ہے، مگر اسے پکڑ نہیں سکتی، اس کی ایک اور مثال ہے:

﴿ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ [23]

''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا جاتا ہے''۔

زمین و آسمان کو عاقل تصور کر کے ان سے خطاب کیا جاتا ہے اور وہ بہت جلد جواب دیتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ [24]

''پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا، تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے،

انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں''۔

قاری چشم تصور سے آسمان و زمین کی جانب دیکھ رہا ہے کہ ان کو آواز دی جا رہی ہے اور وہ اس پکار کا جواب دے رہے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں جھلکتا نظر آتا ہے:

﴿ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ [25]

''اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا، تو تورات کی تختیاں اٹھا لیں''۔

﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ [26]

''جب ابراہیم علیہ السلام سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو قوم لوطؑ کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے''۔

دیکھیے ان دونوں آیات میں **الغضب** (غصہ) کو جوش مارتے اور فرو ہوتے، الروع (خوف) کو رخصت ہوتے اور البشریٰ (خوشخبری) کو آتے، جاتے ظاہر کیا گیا ہے۔ گویا یہ جاندار اشیاء ہیں اور ان میں حرکت و حیات پائی جاتی ہے[27]۔

اور تخییل کا ایک رنگ وہ ہے، جو ان متحرک تصاویر میں متمثل ہو کر سامنے آتا ہے، جن کے ذریعے کسی حالت یا معانی میں سے کسی معنی کو بیان کیا جاتا ہے۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل مسلمانوں کی تصویر کہ وہ آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ یہ سب ایسی تصاویر ہیں جو حرکت سے بہرہ ور ہیں۔ قوتِ متخیلہ اس عجیب حرکت کی تمثیل پر حیران و سر گرداں رہتی ہے۔(28)

تخییل کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ ایک چیز ساکن ہوتی ہے، مگر اس کو متحرک شکل میں پیش کیا جاتا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیت میں پیش کیا گیا ہے:

﴿ واشّتَعل الرَّاْس شَیبا ﴾ (29)

''اور سر (ہے کہ) بڑھاپے کی وجہ سے شعلہ مارنے لگا ہے''۔

اس آیت میں سر کے سفید بالوں کو شعلہ زَن دکھایا گیا ہے۔ سفید بالوں میں اشتعال کی متخیلہ حرکت اسی طرح پیدا کر دی گئی ہے، جس طرح خشک ایندھن جلنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے آیت میں حسن و جمال پیدا ہو گیا ہے۔(30)

تخییل اور تجسیم دونوں کا اجتماع

بسا اوقات قرآن کریم کی ایک ہی آیت میں تخییل و تجسیم دونوں کا اجتماع ہوتا ہے اور وہ یوں کہ ایک معنوی چیز کو جو مادی جسم سے خالی ہوتی ہے، مجسم اور محسوس انداز میں پیش کیا جاتا ہے اور اس جسم میں خیالی حرکت بھی پیدا کر دی جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاخْفِضْ لَہُما جنَاح الذُّلّ منَ الرَّحْمَة﴾(31) ''اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو''۔

اس آیت میں عجز و نیاز کے لیے ''بازو'' ثابت کیے گئے ہیں، جو والدین پر رحم کھاتے ہوئے جھکے رہیں گے(32)

قرآن مجید کا فنی نظم و نسق

فنی نظم و نسق کی مختلف قسمیں ہیں: نسق کی ایک قسم وہ ہے، جس کا تعلق عبارت کی تالیف و ترکیب کے ساتھ ہے، مثلاً یہ کہ مناسب الفاظ کو منتخب کر کے ان کو ایک خاص طریقہ سے مرتب کیا جائے، جس سے وہ کلام فصاحت کے اوجِ کمال تک پہنچ جائے۔

نسق کی ایک قسم کا تعلق صوتی ہم آہنگی اور موسیقی کے ساتھ ہے، جو الفاظ کے مناسب انتخاب اور اس کو ایک خاص طریقہ سے مرتب کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ طریقہ قرآن مجید میں پوری طرح نمایاں نظر آتا ہے اور قرآن کی فنی بناء میں رچا بسا ہوا نظر آتا ہے۔ قرآنی آیات کے آخر میں جو فواصل لائے جاتے ہیں، وہ سیاقِ کلام کے عین

مطابق ہوتے ہیں، مثلاً جہاں ذاتِ الٰہی کا تذکرہ ہوا ہے، وہاں آیت کے خاتمہ پر ﴿ انَّ اللهَ عَلٰى كُلِ شَيئٍ قَدِيرٌ ﴾ لایا گیا ہے اور جہاں مخفی علوم کا ذکر ہوا ہے، وہاں آیت کا اختتام ﴿ انَّ اللهَ عَلِيمٌ بِذَاتَ الصُّدُورِ ﴾ سے کیا جاتا ہے۔

مختلف قرآنی آیات کے غایات و مقاصد کا معنوی تسلسل اور پھر ایک غرض سے دوسری غرض کی جانب منتقل ہونے میں جو تناسق پایا جاتا ہے، وہ بھی فنی نظم و نسق کی ایک بہترین قسم ہے۔

فنی تناسق کی ایک اور قسم فطری نسق و ترتیب ہے، جو بعض آیات کی تدریجی منازل وادوار میں پایا جاتا ہے۔ الغرض قرآن کریم کے مطالب و معنی اور اس کی غایات و مقاصد میں باہم قریبی ربط واتصال پایا جاتا ہے (33)۔

منظر کشی اور تقابل

قرآن کریم نے تعبیر و بیان کے لیے منظر نگاری کے جو طریقے اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک تقابل بھی ہے۔ قرآن جہاں الفاظ کے ذریعے نہایت لطیف و دقیق تصویر کھینچنا چاہتا ہے، وہاں اکثر تقابل سے کام لیتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ و من اٰيٰته خَلْقَ السَّمٰوٰت و الْاَرْضِ و ما بَثَّ فيهِمَا من دَآبَّة وهو عَلٰى جَمْعهِمْ اذَا يشَآء قَدِيرٌ ﴾ (34)

''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے،
ان کو جمع کر لینے پر بھی قادر ہے''۔

اس آیت میں '' بَثَّ ''، بکھیرنے اور ''جَمْعهِم''، ان کو جمع کرنے، میں تقابل پایا جاتا ہے۔ ان دونوں کو ایک ہی آیت میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ جب قوت ِمتخیلہ یکے بعد دیگرے ان کا تصور کرنے میں دیر لگاتی ہے، مگر یہ دونوں متقابل لفظ بلا تاخیر ایک ہی جگہ اکٹھے مل جاتے ہیں (35)۔

تقابل کی ایک قسم وہ بھی ہے، جہاں ایک صورت اس وقت موجود ہوتی ہے اور دوسری کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قوت متخیلہ گزشتہ صورت کو حاضر کرکے موجودہ صورت کے ساتھ اس کا تقابل کرتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَصحٰب اليمين ما اَصحٰب الْيَمِين فِى سدْرٍ مَّخْضُوْد وَطَلْحٍ مَّنْضُود وَظِلٍّ مَّمْدُوْد وَمَاء مَّسْكُوْب وفَاكِهَة كَثيرة لا مَقْطُوْعَة وَّلَا مَمْنوعَة وفُرُشٍ مَّرْفُوْعَة ﴾ (36)

''اور دائیں بازو والے، دائیں بازو والوں کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ وہ بے خار بیریوں، اور تہ بر تہ چڑھے ہوئے کیلوں، اور دور تک پھیلے ہوئے چھاؤں، اور ہر دم رواں پانی، اور کبھی نہ ختم ہونے والے اور بے روک ٹوک ملنے والے بکثرت پھلوں، اور اونچی نشست گاہوں پر ہوں گے''۔

یہاں تقابل دو صورتوں کے درمیان کیا گیا ہے۔ایک صورت تو جنتیوں کی موجودہ صورت ہے، یعنی اللہ کی بے پایاں نعمتیں۔اس خوشی اور سرمستی کا تقابل ان کی سابقہ بدحالی اور آزمائشوں سے پُر زندگی سے کیا گیا ہے۔

قرآن میں موسیقی (الفاظ کی صوتی ہم آہنگی)

قرآن میں موسیقی (الفاظ کی صوتی ہم آہنگی) پائی جاتی ہے اور اس کے متعدد انواع و اقسام ہیں۔ صوتی ہم آہنگی موقع و محل کے ساتھ گہری مطابقت رکھتی ہے اور تعبیر و بیان کے سلسلہ میں بھی اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ قرآنی موسیقی موقع و محل اور ہر مقام کے خاص نظم کے تابع ہوتی ہے۔اس میں اواخر آیات کے لمبے یا چھوٹے ہونے کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی کلمہ کے حروف اور ایک ہی آیت اور اس کے آخری لفظ (فاصلہ) میں الفاظ کے درمیان نظم و ترتیب کس انداز پر واقع ہوئی ہے۔

قرآن مجید نے شعر و نثر کی خوبیوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔قرآن وزن و قافیہ کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے شعری اوصاف میں داخلی موسیقی کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔آیات کے اواخر (فواصل) میں پائے جانے والے متقارب فی الوزن الفاظ نے قرآن مجید کو اوزان سے بے نیاز کر دیا ہے۔اسی طرح قافیہ نما الفاظ کے ہوتے ہوئے اصل قافیہ کی ضرورت باقی نہ رہی۔اس اعتبار سے قرآن نثر و نظم دونوں کے اوصاف و محامد کا حامل و جامع ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تلاوت کے دوران انسان محسوس کرتا ہے کہ قرآن میں صوتی حسن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔اس کے شعور و ادراک کا مدار و انحصار اندرونی حِس اور موسیقی کے ذوق پر ہے۔اس لیے کہ داخلی حِس ہی کی بناء پر موسیقی کی دھن اور غیر موسیقی میں پائی جانے والی ہم آہنگی کے مابین فرق و امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ صرف فواصل اور اوزان کے متحد ہونے ہی سے کسی کلام کو موسیقی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

قرآن کے متعدد مقامات پر بعض کلمات کی قیاسی صورت کو ایک خاص صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ بعض جگہ کلمات کی ترکیب ایسی ہے کہ اگر نظمِ کلام کو ذرا سا بدل دیا جائے یا اس میں تقدیم و تاخیر کر دی جائے، تو عبارت میں خلل آ جاتا ہے۔پہلی حالت یعنی کسی لفظ کی قیاسی صورت کو تبدیل کرنے کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے، جو قرآن کریم میں نقل کیا گیا ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴾ (37)

''جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف فرما دے گا''۔

ان آیات میں یھدین ، یسقین ، یشفین اور یحیین کے کلمات کے آخر سے یائے متکلم کو حذف کر دیا گیا ہے تا کہ تعبدون، الاقدمون کی طرح نون حرفِ قافیہ کو قائم رکھا جاسکے۔اس طرح کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

دوسری حالت یہ ہے کہ کسی کلمہ کی قیاسی صورت سے تو انحراف نہ کیا گیا ہو مگر اس کے باوجود ترکیب میں موسیقی مضمر ہو اور اگر اس ترتیب میں معمولی سی تبدیلی کر دی جائے تو وہ موسیقی پر قائم نہ رہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ (38)

''اس نے عرض کیا، اے پروردگار، میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔اے پروردگار، میں کبھی تجھ سے دعامانگ کر نامراد نہیں رہا''۔

اس آیت میں اگر صرف اتنی تبدیلی کر دی جائے کہ "منّیْ "کے لفظ کو" الْعظْم "سے پہلے رکھ دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ ﴿ قَالَ رَبِّ انِّیْ وَهَنَ مِنِّی الْعَظْمُ﴾ تو ایسے محسوس ہو گا جیسے کسی شعر کا وزن ٹوٹا ہوا ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ " منّی "کا توازن اس آیت کے ابتدائی لفظ "انّیْ" کے ساتھ قائم کیا گیا ہے یعنی اس طرح: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اور وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ ۔

داخلی موسیقی کی ایک قسم وہ بھی ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے، مگر اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔یہ موسیقی مفرد الفاظ کے تانے بانے اور کسی ایک جملہ کی ترکیب میں مضمر ہوتی ہے۔اس کا فہم و ادراک پوشیدہ حاسہ اور خداداد فہم و بصیرت پر موقوف ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی تعبیر و بیان کی اساس میں داخلی موسیقی پائی جاتی ہے، مگر اسے بڑے لطیف ترازو کے ساتھ تولا جاسکتا ہے۔وہ اس قدر نازک ہے کہ الفاظ کی ترکیب میں معمولی سی تبدیلی،اس کے نظم کو مختل کر دیتی ہے، حالانکہ نہ وہ شعر ہے اور نہ ہی شعر کے کثیر حدود و قیود میں محدود ہے۔اس لیے کہ شعری شرائط و ضوابط تعبیر و بیان کی آزادی کو سلب کر لیتے ہیں اور جو کہنا مقصود ہوتا ہے وہ آدمی کہہ نہیں پاتا (39)۔

قصہ گوئی میں دین و فن کا حسین امتزاج

۱۔ قرآن مجید میں انبیاء اور ان کی قوموں کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تمام انبیاء کا عقیدہ ایک ہی تھا اور اسی کی طرف وہ بلاتے رہے۔ قومیں تصدیق یا تکذیب کر کے راہِ نجات یا ہلاکت چن لیتی۔ ان واقعات کی تکرار سے وحدت کا حسن ٹپکتا ہے۔

۲۔ قرآنی قصوں میں واقعہ کی صرف وہی کڑی پیش کی گئی ہے، جو اپنے مقصد سے ہم آہنگ ہے اور باقی تفصیلات اور جزئیات کو چھوڑا گیا ہے۔ سورتوں کی ترتیب کے پیش نظر واقعہ کی جو آخری کڑی پیش کی جاتی ہے، وہ اس نمایاں دینی مقصد کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہوتی ہے، جس کے لیے اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آخری کڑی فنی اصولوں کے ساتھ بھی پوری طرح متحد ہوتی ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ واقعہ کا اختتام فنی نقطہ نگاہ سے کیا گیا ہے اور اس میں کوئی دینی مقصد کارفرما نہیں ہے۔ مثلاً:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس واقعہ کی آخری کڑی سورہ مائدہ میں مذکور ہے اور وہ کڑی بنی اسرائیل کا دشتِ تیہ میں سرگرداں ہونا ہے(40)۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کریم نے بنی اسرائیل کو انواع واقسام کے الطاف وانعامات سے نوازا، مگر بنی اسرائیل ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم اور انتہائی کوشش کے باجود ارضِ مقدس میں پاؤں رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیت و لعل پر ان کو یہی سزا دی جاسکتی تھی کہ دشتِ تیہ میں ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے۔ یہاں تک کہ اجلِ الٰہی آکر ان کا خاتمہ کر دے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک دینی مقصد تھا، مگر یوں دکھائی دیتا ہے کہ دشتِ تیہ کے سین پر اس قصہ کا خاتمہ ایک جمیل ترین فنی اختتام ہے۔ اس پوری جد وجہد اور تگ و دو کے بعد جو کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی، دشتِ تیہ کا منظر مناسب ترین فنی منظر دکھائی دیتا ہے۔ اگر یہ واقعہ دیگر حدود و قیود سے آزاد ہوتا، تو بھی تیہ سے بڑھ کر فنی منظر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا (41)۔

قصہ گوئی کے دینی اغراض و مقاصد کا ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ یہ اس موقع و محل سے مکمل ہم آہنگ ہو، جس میں اسے پیش کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ یک رنگی و ہم آہنگی فنی نظم و ترتیب کی ایک خاص نوع ہے (42)۔

جیسے سورۃ الروم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ الم غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ﴾ (43)

''قریب کے سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں، مگر اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر ہی وہ غالب آجائیں گے اور وہ دن وہ ہو گا،

جب کہ اللہ کی دی ہوئی فتح سے اہل ایمان خوش ہو رہے ہوں گے''۔

اس میں ایک کے بجائے دو پیشین گوئیاں تھیں۔ ایک یہ کہ رومیوں کو غلبہ نصیب ہو گا۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح حاصل ہو گی۔ بظاہر دور دور تک کہیں اس کے آثار موجود نہ تھے کہ ان میں سے کوئی ایک پیشین گوئی بھی چند سال کے اندر پوری ہو جائے گی، مگر لوگوں نے بچشم خود دیکھا کہ آٹھ نو سال کے عرصے میں دونوں پیشین گوئیاں درست ثابت ہو گئیں۔ اُدھر رومی ایرانیوں میں پر غالب آ گئے اور اِدھر مسلمانوں نے صلح حدیبیہ پر دستخط کر دیئے اور اگلے سال عمرہ قضا کی ادائیگی کر دی۔ یوں ان آیات میں دونوں حالات و واقعات میں یک رنگی اور ہم آہنگی پائی جاتی

ہے۔

واقعہ نگاری کی فنی خصوصیات

کچھ ایسی فنی خصوصیات ہیں، جن کے پائے جانے سے کسی واقعہ کے دینی مقاصد فنی حسن و جمال کے طریقے سے پورے ہو جاتے ہیں اور وہ یوں کہ فنی حسن و جمال اس واقعہ کو قلب و ذہن اور وجدان کے لیے زیادہ مؤثر بنا دیتا ہے، جس کی بناء پر نفس انسانی بسہولت تمام اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بحث و تمحیص کے لیے چار فنی اصول و ضوابط درج ذیل ہیں:

ا۔ طرز و بیان کا تنوع

ان فنی خصوصیات میں سے پہلی چیز واقعہ کے طریقِ اظہار و بیان کا تنوع ہے۔ قرآن مجید میں واقعات کو بیان کرنے کے لیے چار طریقے اپنائے گئے ہیں:

(الف) پہلے واقعہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، پھر اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً اصحاب کہف کا واقعہ۔ (44)

(ب) بعض اوقات پہلے کسی واقعہ کا انجام اور نتیجہ ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے بعد واقعہ کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا آغاز خواب سے ہوتا ہے، جو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد محترم کو سناتے ہیں۔ والد بتاتے ہیں کہ دنیا میں آپ کو بڑی شہرت و عظمت نصیب ہو گی۔ (45)

(ج) بعض اوقات قرآن واقعہ کو بلا مقدمہ و تمہید و بلا تلخیص شروع کر دیتا ہے اور واقعہ کا اچانک تذکرہ ہی کفایت کر جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے سلسلہ میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ، اس کا بلا تمہید ذکر و بیان ایک جانی پہچانی بات ہے۔[46]

(د) کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ واقعہ کو افسانوی رنگ دیا جاتا ہے۔ محض چند الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں، جو آغازِ واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ پھر واقعہ خود بخود اس مرکزی کردار کی زبان سے اگلوایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا کعبۃ اللہ کی دیواریں بلند کرتے وقت کی دعا[47]، [48]۔

۲۔ طریقِ مفاجات کا تنوع

دوسری فنی خصوصیت طریقِ مفاجات کا تنوع ہے۔

(الف) بعض اوقات واقعہ کی حقیقت کا، کردار یا ہیرو کو، علم ہوتا ہے نہ ناظرین کو، پھر یکایک اس کا انکشاف ہوتا ہے۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک صالح اور عالم بندے سے ملاقات اور سفر کی ہے[49]، جو ہمارے لیے اسرار ہی اسرار ہیں۔ پھر یکایک راز منکشف ہوتا ہے اور راز کے انکشاف کے بعد وہ مردِ صالح پھر پردہ میں چلا جاتا ہے ۔کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون تھا اور کہاں چلا گیا، لیکن انہوں نے جو کام کیے ان کا مقصد منکشف کر دیا[50]۔

(ب) بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ واقعہ کے ناظرین کو تو اصلی راز سے آگاہ کر دیا جاتا ہے، مگر واقعہ کے کردار اور ہیرو اس سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ کردار بے خبری اور آگہی کے باجود اپنے کام کیے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ناظرین ان کی کاکردگی کو جانتے بوجھتے ہوئے ملاحظہ کرتے ہیں۔ زیادہ تر یہ وہاں ہوتا ہے جہاں کسی کا مذاق اڑانا مقصود ہو۔ اس طرح ناظرین آغاز واقعہ ہی سے اس میں شریک ہوتے ہیں اور کارکنان کی حرکات کو دیکھتے ہوئے مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کی مثال باغ والوں کا واقعہ ہے جو سورۃ القلم میں بیان ہوا ہے[51]۔[52]

(ج) بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ناظرین کو واقعہ کے ایک حصہ سے آگاہ کر دیا جاتا ہے، مگر واقعہ کا مرکزی کردار اس سے آشنا نہیں ہوتا۔ اسی واقعہ کا ایک حصہ ایسا بھی ہوتا ہے، جس سے ناظرین اور ہیرو دونوں بے خبر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال بلقیس کا تخت ہے، جس کو آنکھ جھپکنے میں لاکر موجود کر دیا گیا[53]۔ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پڑا تھا، جب کہ بلقیس اس سے آگاہ نہ تھی۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہی تمہارا تخت ہے؟ تو وہ کہنے لگی: یہ بھی اسی جیسا ہے۔ یہ ایک راز ہے جو پہلے سے ہمیں معلوم ہے۔ مگر محل جس میں شیشے جڑے ہوئے تھے، ناظرین اور بلقیس دونوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہا، تاوقتیکہ دونوں کو اس سے آگاہ کیا گیا۔ جب بلقیس سے محل میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا تو اس نے اسے نیچے جڑے ہونے کی وجہ سے پانی کا حوض سمجھا اور کپڑا اٹھا کر اپنی

پنڈلیاں کھول دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہا: یہ حوض نہیں یہ تو محل ہے، جس کے نیچے شیشے جڑے ہوئے ہیں[(54)]۔

(د) بعض اوقات کوئی راز نہیں پایا جاتا، بلکہ ہیرو اور ناظرین دونوں بہ یک وقت اچانک ایک واقعہ سے دوچار ہوتے ہیں ۔حضرت مریم علیہا السلام کا فرشتے سے ملاقات کا واقعہ اس کی مثال ہے[(55)، (56)]۔

۳۔ مناظر میں وقفہ

واقعہ نگاری کی تیسری فنی خصوصیت وہ وقفہ اور خلا ہے جو ایک منظر اور دوسرے منظر میں پایا جاتا ہے۔ مناظر کو تقسیم کرتے وقت ان میں وقفہ بھی رکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ جملہ قرآنی واقعات میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ جس کے مناظر اٹھائیس بنتے ہیں۔ پہلے منظر میں ہم یوسف علیہ السلام کو اپنے والد کو خواب سناتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پھر پردہ گرتا ہے۔اور کچھ وقفے کے بعد دوسرے منظر میں ہم یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو سازش بناتے ہوئے اور والد کے پاس جاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پھر پردہ گرتا ہے۔ وقفہ کے بعد اگلے منظر میں یوسف علیہ السلام ایک ویران کنویں میں پڑے ہیں۔ پھر پردہ گرتا ہے۔اگلے منظر میں یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر مصر کے بازار میں فروخت ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور یوں ہر منظر کے بعد پردہ گرتا ہے، درمیان میں کچھ وقفہ آتا ہے اور پھر دوسرا منظر شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ آخری بار پردہ گرتا ہے اور کچھ وقفہ کے بعد اگلے منظر میں یوسف علیہ السلام کے والد، والدہ اور بھائی آپ کے شاہی دربار میں آداب بجالاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں اور یوسف علیہ السلام یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ:

﴿يَا أَبَتِ هٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ [(57)]

قصہ یوسف کا جمالیاتی پہلو

قرآن مجید کی سورۃ یوسف وہ سورت ہے، جس میں اول سے آخر تک ایک ہی قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تاریخ نگاری بھی ایک مستقل فن ہے۔ اس میں اس فن والوں کے لیے خاص ہدایات ہیں، کہ بیان میں نہ اتنا اختصار ہونا چاہیے، جس سے بات ہی پوری نہ سمجھی جاسکے اور نہ اتنا طول ہونا چاہیے کہ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا مشکل ہو جائے جیسا کہ اس قصہ کے قرآنی بیان سے واضح ہوتا ہے[(58)]۔

۴۔ قصہ گوئی میں منظر کشی

چوتھی فنی خصوصیت قصہ گوئی میں منظر کشی ہے۔ کسی قصہ کے مشاہد و مناظر کی جو تصویر کھینچی جاتی ہے، اس کے مختلف انداز و اطوار ہیں: ایک رنگ تو وہ ہے، جو کسی واقعہ کو پیش کرنے اور اس کو زندہ کرنے میں نمایاں ہوتا ہے، جیسے باغ والوں کا قصہ (59)۔ دوسرا رنگ جذبات و احساسات کی منظر کشی میں ظاہر ہوتا ہے، جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے کنعان کا طوفان کے وقت مکالمہ اور شدت جذبات و احساسات (60)۔ تیسرا رنگ شخصیات کی تصویر کشی میں ابھرتا ہے، جیسے تعمیر کعبہ کے وقت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی قلبی کیفیات اور دعا (61)۔ یہ رنگ ہائے مختلفہ جداگانہ طور پر نہیں ہوتے، بلکہ بعض مواقع میں ان میں سے ایک رنگ نمایاں تر ہو کر دوسرے دو رنگوں پر غالب آجاتا ہے اور ان کو پھر اسی نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ جملہ واقعات کے مناظر میں یہ تمام فنی رنگ ظاہر ہوتے ہیں (62)۔

یہ ہیں قصہ گوئی کی تمام خصوصیات۔ کسی واقعہ کو پیش کرنے اور اسے آنکھوں کے سامنے لاموجود کرنے کی قوت ہی دراصل نمایاں ترین خصوصیت ہے۔ دوسری کوئی خصوصیت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہی خصوصیت ہے جو کسی واقعہ پر گہرے نقوش ثبت کرتی اور دیگر خصوصیات پر چھا جاتی ہے (63)۔

جذبات و احساسات کی تصویر کشی

اس کی بہترین مثال سورت مریمؑ میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ہے، جس میں حضرت مریم علیہا السلام کے جذبات و احساسات کی بہترین تصویر کشی کی گئی ہے۔ فرشتے کی اچانک موجودگی کے وقت کا احساس، بدنامی کا خوف، حمل کے وقت کا احساس، ولادت کے وقت کا احساس، پھر قوم کا سامنا کرنے کا مرحلہ اور آخر میں اپنے نوزائیدہ بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے منہ سے معجزانہ طور پر نکلے ہوئے الفاظ کے وقت کے جذبات (64)۔ یہ ایک ایسا منظر ہے، جو انسان کے ہوش و حواس پر ایسا چھا جاتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل انہی جذبات سے بھر جاتا ہے، جس کا نام حسن و جمال ہے (65)۔

وجدانی منطق

قرآن نے جس انداز میں اپنے مخالفین کے ساتھ جدال و مناظرہ کیا اور آخر میں یہ میدان جیت لیا اسی کا نام منطق وجدانی ہے۔ اس اندازِ تعبیر میں بیان کرنے والے الفاظ بھی ہیں، تعبیراتِ مصورہ اور ابھری ہوئی تصاویر بھی ہیں، بولنے والے مناظر اور قصص و واقعات بھی ہیں۔ یہ سب مل جل کر مطلوبہ مقصد پورا کرتے ہیں۔ یہ وجدانی اندازِ کلام، حواس کو متاثر کرتا، قوت متخیلہ کو بیدار کرتا، انسانی بصیرت کے دروازے پر دستک دیتا اور ضمیر کو خواب

غفلت سے جگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نفسِ انسانی ان حقائق کو قبول کرنے اور ان پر یقین کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن نے انسانی وجدان کو مخاطب بنایا اور اس میں واقعہ نگاری کے انداز کو اختیار کیا ہے۔ اس طرح قرآن اپنے مواد اور انداز دونوں کی بناء پر اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن دینی و فنی دونوں قسم کے غایات و مقاصد کا جامع ہے اور اس کے لیے قرآن مجید نے جو طرز و انداز اختیار کیا ہے، وہ بھی نہایت مستحسن اور بلند پایہ ہے[66]۔

قرآن مجید کے اختیار کردہ اندازِ تصویر سے نہ صرف یہ کہ معانی ذہنیہ تصاویر میں بدل جاتے ہیں بلکہ ان تصاویر میں زندگی پیدا کی جاتی ہے اور ان کو زندہ اشیاء کے معیار و مدار پر رکھ کر جانچا پرکھا جاتا ہے اور زندہ ماحول سے گزرنے کے مواقع بہم پہنچائے جاتے ہیں[67]۔

قرآنی منظر کشی کی نوعیت اور ان مناظر میں روحِ حیات پیدا کرنے کی توضیح کے لیے صرف یہی بیان کافی ہے۔ وہ حیات ہی ہے جو تاثیر کو حواس سے نقل کر کے نفوسِ انسانی کی گہرائی تک پہنچاتی ہے۔ وہ تاثیر ایک زندہ اور موجود جسم سے زندہ پیکر کی طرف اور ایک زندہ ماحول میں منتقل ہوتی ہے۔ اس طرح تعبیر و تصویر کے ذریعے یہ تاثیر ضمیر کی گہرائی میں رچ بس جاتی ہے[68]، جیسے سورۃ الکہف میں گرتی ہوئی دیوار کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:

﴿فَوَجَدَ فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَه﴾ [69]

''پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی، تو اس نے اس کو سیدھا کر دیا''۔

قرآن نے تصویر کشی کا جو انداز تعبیر و بیان اختیار کیا ہے۔ اس کے پیش نظر زمین و آسمان، آفتاب و ماہتاب، پہاڑ اور جنگل، آباد گھر، مٹے ہوئے آثار نبات و حیوان، درخت اور ٹہنیاں سب زندہ مناظر ہیں۔ یہ مناظر انسانوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مردہ اور جامد نہیں ہے[70]۔

صفاتِ حسن

مختلف مفکرین نے حسن کی مختلف صفات بیان کی ہیں کہ اگر کسی چیز میں یہ اور یہ صفات ہوں گی، تو وہ چیز حسین و جمیل ہو گی ورنہ نہیں۔ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے، تو اس میں تتبع کرنے سے حسن کی چار صفات معلوم ہوتی ہیں:

بوقلمونی، موزونیت، اتقان یا فنی جامعیت اور پاکیزگی، ذیل میں ان پر بحث کی جاتی ہے:

بوقلمونی یا تنوع

قرآن نے حسن و جمال کی ایک صفت بوقلمونی یا تنوّع کو قرار دیا ہے۔ یہ بوقلمونیاں اور نیرنگیاں پوری کائنات میں بکھری پڑی ہیں، جن کی

وجہ سے انسان کو یکسانیت کا احساس نہیں ہوتا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ وَ مِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ﴾ (71)

''کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر ہم اس کے ساتھ رنگارنگ کے پھل نکالتے ہیں اور پہاڑوں کے ایسے سلسلے ہیں جو سفید و سرخ مختلف رنگوں کے ہیں اور بعض کالے کلوٹے ہیں اور اسی طرح انسانوں، جانوروں اور چارپایوں میں سے بھی طرح طرح کے رنگوں کے ہیں''۔

عالمِ جمادات ہو یا عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات ہو یا عالمِ سماوی، ان میں سے ہر ایک عالمِ بوقلموں مناظر کا نگار خانہ اور ہر منظر اختلاف و تضاد کا آئینہ دار ہے۔ یہ تضاد و تخالف چونکہ تعدیل و تسویہ کے رنگ سے مزین ہے، اس لیے یہ نظارے دلکش اور سرور انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ بصیرت افروز بھی ہیں (72)۔

﴿وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ﴾ (73)

''اور جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا ہے وہ گوناگوں رنگوں کا ہے۔ بلاشبہ اس (بوقلمونی) میں ان لوگوں کے لیے نشان (حقیقت) ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں''۔

﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى﴾ (74)

''وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین بچھونے کی طرح بچھادی، نقل و حرکت کے لیے اس میں راہیں نکال دیں اور آسمان سے پانی برسایا اور پھر ہم اس کے ساتھ مختلف قسم کی سبزیوں کے جوڑے پیدا کرتے ہیں۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔ بلاشبہ اس میں دانا لوگوں کے لیے (حقیقت کے) نشانات ہیں''۔

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (75)

''اصل یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے (نظاروں کے) اختلاف میں اربابِ دانش (کی نظر و فکر) کے لیے

بڑی ہی نشانیاں ہیں''۔

اس کائنات کاایک دلکش پہلو یہ ہے کہ یہاں کی ہر چیز اپنی متضاد صفت ضرور رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بوقلمونیٔ حیات کے عالم میں فطرت کا قانونِ تزویج کارفرما ہے اور اس کا خاصہ ہے کہ چیز کی ایک صنف میں اگر قوتِ جذب ہے، تو اس کی متضاد صنف میں قوتِ انجذاب پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ہر چیز اپنی متضاد صنف میں ایک بے پناہ کشش محسوس کرتی ہے، جسے جذبہ محبت کہتے ہیں۔ دراصل کشش و محبت کے ان جذبات کی تشفی ہی سے انسان سکون وراحت حاصل کرتا ہے (76)، اس کی خوبصورت مثال درج ذیل آیت قرآنی ہے:

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْہَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾ (77)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں''۔

صنف کا یہ تضاد و تخالف ہر مخلوق میں پایا جاتا ہے، جس کے بے پناہ فوائد و ثمرات ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (78)

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم اس سے سبق لو''۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (79)

''پاک وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (نوعِ انسانی) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں''۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے بوقلمونی اور تنوع و تخالف کی جو صفت بیان کی ہے اور جو پوری کائنات میں بکھری پڑی ہے، یہ حسن کی ایک لازمی صفت ہے، یہ انسان کی جمالیاتی حِس اور اس کی فطرت میں موجود تجسس کی تسکین و فوائد کے لیے ایک لازمی عنصر ہے۔

موزونیت اور اعتدال

قرآن مجید نے حُسن کی دوسری صفت موزونیت بیان کی ہے۔ کسی چیز کی اپنی حقیقت کے اعتبار سے محل اور موقع کے عین مطابق واقع ہونے کی حالت کو موزونیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اصل میں وہی چیز موزوں ہو گی، جو اپنی

نوعیت، کمیت، کیفیت اور واقعیت کے لحاظ سے متناسب و معتدل ہو گی۔ لہٰذا جو چیز موزوں ہو گی، وہ جمالیاتی قدروں کی بھی حامل ہو گی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی تمام تخلیقات کو جو جمیل و جلیل ہیں، موزوں کہا ہے [80] اور اسی کا نام عدل بھی ہے۔

﴿وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ [81]

''اور ہم نے زمین میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی''۔

وزن سے فنی تخلیقات میں حسن پیدا ہوتا ہے، اس لیے موزونیت حسن کی صفت ہوئی اور یہ مشاہدے کی بات بھی ہے کیونکہ آواز میں نغمگی، شعر میں شعریت اور خطوط میں تصویریت پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب ان میں وزن ہو۔ چنانچہ جس مناسبت و ہم آہنگی کو شعر میں وزن کہتے ہیں، اس کو موسیقی میں لے اور مصوری میں توازن کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وزن سے صرف صوری چیزوں ہی میں حسن پیدا نہیں ہوتا، بلکہ عالمِ معنوی کے تمام حسین مناظر بھی وزن ہی کے مرہونِ منت ہیں [82]۔

اِتّقان (فنی جامعیت)

حسن کی ایک اور صفت قرآن نے اتّقان بیان کی ہے، جسے جمالیات کی اصطلاح میں فنی جامعیت کہا جاتا ہے اور اس سے مراد ہے: کسی فنِ تخلیق میں ہنر و کمال اور درستی و پختگی کا اس طرح مجتمع ہونا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی، نقص، عیب اور فنی سطحیت نہ پائی جائے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی
تخلیقات کے بارے میں، جو انتہائی حسین ہیں، کہتا ہے کہ اس میں اتّقان یعنی فنی جامعیت ہے [83]، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ [84]

''یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے (ان میں اتّقان یعنی فنی جامعیت پیدا کر دی)
''۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ﴾ [85]

''(اللہ وہ ہے) جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟

بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتّقان یا فنی جامعیت حسن و جمال کی ایک لازمی صفت ہے اور اس کے بغیر کوئی چیز حسین نہیں ہو سکتی۔ پھر تخلیق میں اعتدال بھی اتقان کا مظہر ہے اور یہ اعتدال ہر چیز میں نظر آتی ہے۔

پاکیزگی

پاکیزگی بھی حُسن کی ایک صفت ہے، قرآن نے اس کے لیے تین الفاظ استعمال کیے ہیں: طیّب، طہارت اور تزکیہ۔ طیّب چیز وہ ہوگی، جو ظاہری اور باطنی اعتبار سے مکروہات اور نجاستوں سے پاک و صاف ہونے کے علاوہ پسندیدہ، عمدہ، مکمل اور سرور انگیز ہوگی۔ مطہّر وہ ہوگی، جو ہر طرح کی نجاست، غلاظت اور میل کچیل سے پاک وصاف ہوگی اور لفظ تزکیہ میں کسی چیز کو پاک وصاف کرنے، اس کی اصلاح کرنے اور اسے نشو و نما کرنے کے قابل بنانے کا مفہوم مضمر ہے۔ تزکیہ عام طور پر باطنی پاکیزگی اور تطہیر ظاہری پاکیزگی کے لیے استعمال ہوتا ہے[86]۔

اس کی خوبصورت مثال درج ذیل ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾[87]

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالی نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں''۔

اس کی دوسری مثال آیت کریمہ: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾[88] ہے۔

''اس کی طرف پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں اور عملِ صالح اس کو بلند کرتا ہے''۔

پاکیزہ کلام اپنے ارتقائی مراحل کو طے کرتا رہتا ہے اور اس کی آخری منزل حسنِ حقیقی، یعنی اللہ کی ذات ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید پاکیزگی کو حسن کی ایک ناگزیر صفت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اس پاکیزگی سے پیدا شدہ کلمہ اور کلام انسان کو وہ رفعتیں دیتا ہے ، جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پھر جب وہ آگے بڑھ کر "قد افلح من زكاها" پر عمل کرتا ہے، تو دنیوی و اخروی کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔

الغرض جس چیز میں مندرجہ بالا چار خصوصیات ہوں گی، وہ چیز حسین بھی ہوگی اور جمیل بھی، خواہ وہ کوئی تخلیق ہو یا کوئی فن پارہ اور یا تحریر، اللہ کی کائنات، انفس و آفاق اور اللہ تعالی کا کلام؛ قرآن مجید اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

تخلیقی فعلیت

اس کائنات کے دو رُخ ہیں: ایک وہ جو نظر آتا ہے اور اسے معروضی یا ظاہری یا خارجی رُخ کہتے ہیں۔ دوسرا وہ، جو نظروں سے مخفی ہے اور اسے موضوعی یا داخلی یا باطنی رُخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کائنات کے ان موضوعی اور

معروضی رُخوں کو اصطلاح قرآنی میں بالترتیب انفس اور آفاق کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی انسان کو ان پر ہمیشہ غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ اس کے فطری جذبہ تخلیق کو مسلسل تحریک ملتی رہے اور وہ اپنے اس جذبے کی تشفی تخلیقی فعلیت سے کرتا رہے اور اسی طرح اس کی زندگی کی تکمیل بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے (89)، ارشاد ربانی ہے:

﴿اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ مَاخَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّھِمْ لَکٰفِرُوْنَ﴾ (90)

''کیا انہوں نے اپنی نفسیات (کے احوال و ظروف) پر غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ایک مستقل افادی مقصدیت کے بغیر پیدا نہیں کیا اور واقعہ یہ ہے کہ انسانوں میں کثیر تعداد ان کی ہے جو اپنے پروردگار کے ساتھ ملاقات کرنے کے منکر ہیں''۔

دراصل یہ کائنات صورت و حیات کی ایک حقیقی جلوہ گاہ ہے اور صورت کے حسن و کمال اور زندگی کے حقائق پر غور و فکر کرنے ہی سے انسان میں حسن آفرینی کا فطری جذبہ بیدار ہوتا ہے اور اسی لیے قرآن حکیم نے انسان کو انفس و آفاق کے عوالم پر غور و فکر کرنے کی کثرت کے ساتھ تاکید کی ہے، (91) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ﴾ (92)

''عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ
یہ قرآن واقعی برحق ہے''۔

خلاصہ بحث

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہوا ہے۔ اس کتاب کے لفظ لفظ سے نور ٹپکتا محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا ایک نام نور بھی ہے۔ یہ نور لوگوں کے راستے روشن کرتا ہے، اس لیے اس کا ایک نام ھدٰی بھی ہے۔ اس کتاب میں حسن کے بہت سارے مظاہر بیان ہوئے ہیں: عقیدے کا حسن، عمل و کردار کا حسن، قول و اقرار کا حسن، وغیرہ کا جمال بیان ہوا ہے۔ اسی طرح صبر کا جمال، ہجر کا جمال وغیرہ بھی بیان ہوا ہے۔ قرآن کے الفاظ کا حسن، انداز کا حسن، معانی و اسرار کا حسن، بیان کردہ انفس و آفاق کا حسن اور پھر بار بار افلا تعقلون، تتذکرون، یتدبرون وغیرہ جیسے الفاظ سے ذہنوں کو جھنجھوڑا گیا ہے، تاکہ وہ اپنے نفس اور کائنات کے حسن میں غور کر کے اس حسین و جمیل ہستی تک پہنچ جائیں، جس نے انہیں پیدا کیا۔ پھر قرآن اس کو اپنی تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دے کر اس کو حسن تخلیق کے مراحل بتاتا ہے، جو کہ تسویہ، تعدیل اور ترکیب ہے اور اسے یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ کی سب سے خوبصورت مخلوق انسان ہے۔

نتائج بحث

- قرآن مجید ہر لحاظ سے حسن و جمال کا ایک خوبصورت جامع مجموعہ ہے۔
- قرآن مجید کا نظریہ حسن اس قدر حرکی ہے کہ جوں جوں کائنات کے اسرار معلوم ہوتے جا رہے ہیں، اس کا حسن بھی آشکارا ہوتا جا رہا ہے۔
- قرآن مجید ادبی جمال کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کا مقابلہ نہ پہلے کوئی کر سکا ہے نہ آئندہ کوئی کر سکے گا۔
- قرآن مجید صوتی جمال کا ایک حسین مظہر ہے۔ اس کے زیر و بم سے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جاتی ہیں۔
- قرآن کا ہر حصہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، جسے نظمِ قرآن کہتے ہیں۔
- قرآن مختلف واقعات اور حالات کی منظر کشی بہت عمدگی سے کرتا ہے اور غیر مادی اجسام کو بھی تشخص عطا کرتا ہے۔
- قرآن مجید کی رو سے حسن کی چار صفات ہیں: بو قلمونی، موزونیت یا اعتدال ، اتقان یا فنی جامعیت اور پاکیزگی۔

سفارشات

- ✓ قرآن کے ادبی جمال پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس طرف بھی ماہرین فن کی توجہ مبذول کرانا چاہیئے۔
- ✓ جمالیات انفس و آفاق کے موضوع پر قرآن کی روشنی میں مقالے تحریر کروانے کا اہتمام کرانا چاہیئے۔
- ✓ قرآن مجید کے صوتی جمال کی بہترین انداز سے تشہیر و اشاعت کے لیے مجالس کے انعقاد کا اہتمام کرانا چاہیئے، تاکہ لوگ فضولیات سننے کے بجائے قرآن سنیں۔
- ✓ قرآن میں غوطہ زن ہو کر اس کے نئے نئے اسرار و رموز منکشف کیے جائیں، جس کے لیے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی طرف لوگوں کو راغب کرانا چاہیئے۔
- ✓ قرآن مجید کے حسن سے اپنی سیرت و کردار کی بھی تشکیل کی ضرورت ہے، تاکہ لوگ جان لیں کہ حاملِ قرآن کس قدر حسن عمل و کردار کا مالک ہوتا ہے۔
- ✓ الغرض اپنے من میں ڈوب کر اس حسن کو تلاش کرنا چاہیے، جس کی طرف بار بار قرآن مجید دعوت دیتا ہے اور اس کائنات کے حسن کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے، جس کی طرف قرآن بار بار اشارہ کرتا ہے۔

- ✓ قرآن مجید میں ڈوب کر اس کے اس حسن سے اپنی فطرت کو روشناس کرانا چاہیے، جس کا مقابلہ نہ کل کوئی کر سکا تھا، نہ آج کوئی کر سکتا ہے اور نہ آئندہ کوئی کر سکے گا۔
- ✓ قرآن مجید کے الفاظ سے اپنی آنکھوں کو روشن، اس کے معانی سے دلوں کو منور کرنے کے لیے اسے شاہِ کلید بنانا چاہیئے، تاکہ مسائلِ حیات کے جس قفل پر بھی رکھا جائے تو وہ کھل جائے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی و حوالہ جات

[1]۔ الجن72: 1

Al-Jin 72: 1

[2]۔ ھود:11:13

Hud: 11: 13

[3]۔ یونس:10: 38

Yuns: 10: 38

[4]۔ طور52: ۳۴

Tawr 52: 34

[5]۔ الرحمٰن:۵۵: ۲۹

Al-Rãḥmn: 55: 29

[6]۔ النحل:۱۶: ۸

Al-Nãḥ'l: 16: 8

7۔ الحمیری، ابو محمد، عبدالملک بن ہشام، السیرۃالنبویۃ، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۰ء، ج۱، ص۳۰۲-۳۰۳

Al-Humyri, Abu Muhammad, Abdạl-Malik b'n Hasham, Al-Syrt ạl-Nbwit, Dạr Al-Kutạb Al Arabi , Bayrwt, 1990, j1, ṣ302 - 303

8۔ المائدۃ:۵ : ۸۳۔

Al-Mạỷtat۔۸۳ :۵ :

9۔ بنی اسرائیل:۱۷: ۱۰۸،۱۰۷۔

Bni Israil: 17: 107 , 108 ۔

10۔ الزمر:۳۹: ۲۳۔

Al-Zãm’r: 39: 23 ۔

11۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، دار السلام پبلشرز، لاہور، تلخیص: ص۳۴-۵۱۔

Syẖed Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayẖan , Dạr Islạm Pubishers, lahor , Talkhis: ṣ34 - 51

12۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ج۵ ص۱۷۶۔

Modudi, Abu Al-Aly,' Syḏ, Tafheem Al-Qur’ận , Adạrh Tar’jumān ạl-Qur’ận lahor , j5 ṣ176 ۔

13۔ ساجد، قرآن مجید کا صوتی جمال اور اسلامی کلچر، فورم محدث ڈاٹ کام، بروز منگل، بوقت: ۸:۰۰ ۲۰ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔

Sājid, Qur’ận Mjyḏ ḵā Swtyi Jamāl Awr Islạmyi culture, Fourm Muḥ’dath̲ .Com , Ba’rwaz Mngl, Ba’waq’t: 8:00 20 October 2020۔

14۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۱۶

Syẖed Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayẖan ṣ116 ۔

15۔ ایضاً، ص۱۱۸۔

Ayḏạ: ṣ118

16۔ الکھف:۱۸: ۱۰۹۔

Al- Kahf : 18: 109

17۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۲۴۔

Syẖed Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayẖan, ṣ124 ۔

18۔ ایضاً، ص۱۱۸-۱۱۹۔

Ayḏạ , ṣ118 - 119

19۔ آل عمران۳: ۳۰۔

Al-A ʿmrạn 3: 30

20۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۳۰

Syẖed Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayẖan, ṣ 130 ۔

21۔ ایضاً، ص۱۱۹۔

Ayḏạ: ṣ119 ۔

22۔ التکویر:۱۸:۸۱۔

Al-Tkwy̱r: 81: 18 ۔

23۔ الاعراف:۷: ۵۴۔

Al-Aʿrạf: 7: 54

24۔ حم السجدۃ:۴۱: ۱۱۔

Ham ạl-Sjda ۱۱ :۴۱ :

25۔ الاعراف:۷: ۱۵۴۔

Al-A’rạf: 7: 154

26۔ ھود:۱۱: ۷۴۔

Hud: 11: 74

27۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۲۳۔

Sy̱ed Quṭ’b, Qurận Mjy̱d ḵā Aslwb Bay̱an, ṣ123

28۔ ایضاً، ص۱۲۳-۱۲۴۔

Ay̱ḏạ: ṣ123 - 124

29۔ مریم:۱۹: ۴۔

Mary̱m: 19: 4

30۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۲۸۔

Sy̱ed Quṭ’b, Qurận Mjy̱d ḵā Aslwb Bay̱an, ṣ 128 ۔

31۔ بنی اسرائیل:۱۷: ۲۴۔

Bni Isrạil: 17: 24

32۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۳۷تا۱۴۲۔

Sy̱ed Quṭ’b, Qurận Mjy̱d ḵā Aslwb Bay̱an , ṣ137 tạ142 ۔

33۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۴۳تا۱۴۷۔

Sy̱ed Quṭ’b, Qurận Mjy̱d ḵā Aslwb Bay̱an, ṣ 143 tạ147 ۔

34۔ الشوریٰ:۴۲: ۲۹۔

Al-Sẖwr: 42: 29 ۔

35۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۱۵۶۔

Sy̱ed Quṭ’b, Qurận Mjy̱d ḵā Aslwb Bay̱an, ṣ 156 ۔

36۔ الواقعۃ:۵۶: ۲۷-۳۱۔

Al-Wạqai ۳۱ - ۲۷ :۵۶ :

37۔ الشعراء:۲۶: ۷۵۔

Al-Sẖũ’rā: 26: 75 ۔

38۔ مریم:۱۹: ۴۔

Marym̱: 19: 4 ۔

39۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص ۱۶۴-۱۷۲۔

Syẹd Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayạn, ṣ 164 - 172 ۔

40۔ المائدۃ:۵: ۲۶۔

Al-Mạỷd: ۲۶ :۵

41۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۲۶۸تا۲۷۳۔

Syẹd Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayạn, ṣ268 tạ273 ۔

42۔ ایضاً، ص۲۷۹۔

Ayḏạ : ṣ279 ۔

43۔ الروم:۳۰: ۱-۴۔

Al-Rũwm: 30: 1 - 4 ۔

44۔ الکہف:۱۸: ۹۔

Al-Kahf: 18: 9 ۔

45۔ یوسف:۱۲: ۴-۵۔

Ywsf: 12: 4 - 5 ۔

46۔ مریم:۱۹: ۱۶۔

Marym̱: 19: 16 ۔

47۔ البقرۃ:۲: ۱۲۷-۱۲۹۔

Al-Baqrat ۱۲۹ - ۱۲۷ :۲ :

48۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص/۲۸۴-۲۸۷۔

Syẹd Quṭ’b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayạn , ṣ / 284 - 287 ۔

49۔ الکہف:۱۸: ۶۰-۸۲۔

Al-kahf: 18: 60 - 82 ۔

50۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۲۸۸-۲۹۲۔

Syed Quṭ'b, Qurận Mjyd ḵā Aslwb Bayan, ṣ288 - 292 ۔

51۔ القلم:۶۸: ۱۷-۳۳۔

Al-Qalam: 68: 17 - 33 ۔

52۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۲۹۳-۲۹۲۔

Syed Quṭ'b, Qurận Mjyd ḵā Aslwb Bayan, ṣ293 - 292 ۔

53۔ النمل:۲۷: ۲۰-۴۴۔

Al-Nãm'l: 27: 20 - 44 ۔

54۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۲۹۴۔

Syed Quṭ'b, Qurận Mjyd ḵā Aslwb Bayan, ṣ294 ۔

55۔ مریم:۱۹: ۱۸۔

Mrayṃ: 19: 18 ۔

56۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۲۹۴۔

Syed Quṭ'b, Qurận Mjyd ḵā Aslwb Bayan, ṣ294 ۔

57۔ یوسف:۱۲: ۱۰۰۔

Ywsf: 12: 100 ۔

58۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، دار المعارف کراچی، ج۵، ص۱۷۔

Muḥamãd, Shafi, Mufti, Maʿārif ạl-Qur'ận, Dạr ạl-Maạrf, krachi, j 5 , ṣ17 ۔

59۔ الکہف:18آیت:32-43/القلم ۶۸:آیت:۱۷-۳۲/سباء:34آیت:15-19

Al-Khaf: 18 Ayat: 32 - 43 / Al-Qalam 68: -Ayat : 17 - 32 / Sibā'u: 34 Ayat: 15 - 19

60۔ ھود:۱۱آیت 41-43 ۔

Hud: 11Ayat 41 - 43 ۔

61۔ البقرۃ ۲،آیت:۱۲۵-۱۲۹،ابراہیم:14 آیت:35-38 ۔

Al-Baqrat, Ayat: 125 - 129 , Ibrahim: 14 ậyṯ: 35 - 38

62۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۲۹۹۔

Syed Quṭ'b, Qurận Mjyd ḵā Aslwb Bayan, ṣ299 ۔

63۔ ایضاً، ص۲۸۴-۳۰۶۔

Ayḏạ, ṣ284 - 306 ۔

64۔ مریم:۱۹: ۱۶-۳۳۔

Maryṃ: 19: 16 - 33 ۔

65۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۳۰۷-۳۱۳۔

Syẹd Quṭ'b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayạn, ṣ 307 - 313 ۔

66۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۳۶۲-۳۷۴۔

Syẹd Quṭ'b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayạn, ṣ 362 - 374 ۔

67۔ ایضاً، ص۳۸۷۔

Ayḏạ, ṣ 387 ۔

68۔ ایضاً، ص۳۹۰۔

Ayḏạ , ṣ 390 ۔

69۔ الکھف:18: 77۔

Al-Kahf: 18: 77 ۔

70۔ سید قطب، قرآن مجید کا اسلوب بیان، ص۳۹۲۔

Syẹd Quṭ'b, Qurận Mjyḏ ḵā Aslwb Bayạn, ṣ 392 ۔

71۔ فاطر:۳۵: ۲۷-۲۸۔

Fāṭir: 35: 27 - 28 ۔

72۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، تاریخ جمالیات، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، 1962ء، ص۱۵۳۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat,, Maj'lis Traqi Ad'b , club Roa, Lahor, 1962ʾ , ṣ153 ۔

73۔ النحل:۱۶: ۱۳۔

Al-Nāḥ'l: 16: 13 ۔

74۔ طٰہٰ:۲۰: ۵۳-۵۴۔

Th۔۵۴ - ۵۳ :۲۰ :

75۔ آل عمران:۳: ۱۹۰۔

Al-Im'rān: 3: 190 ۔

76۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۱۵۸۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy ̮Rwsẖni Main, ṣ158 ۔

77۔ الروم:۳۰: ۲۱۔

Al-Ruwm 30: 21 ۔

78۔ الذریت:۵۱: ۴۹۔

Al-Dẖriat: 51: 49 ۔

79۔ یٰس:۳۶: ۳۶۔

Yseen: 36: 36 ۔

80۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۱۶۱۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy̮ Rwsẖni Main, ṣ161 ۔

81۔ الحجر:۱۵: ۱۹۔

Al-Hajar: 15: 19 ۔

82۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۱۶۴۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy̮ Rwsẖni Main, ṣ164 ۔

83۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۱۶۵۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy̮ Rwsẖni Main, ṣ 165 ۔

84۔ النمل:۲۷: ۸۸۔

Al-Nãm'l: 27: 88 ۔

85۔ الملک:۶۷: ۳-۴۔

Al-Mulḵ: 67: 3 - 4 ۔

86۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۱۶۶۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy̮ Rwsẖni Main, ṣ166 ۔

87۔ ابراھیم:۱۴: ۲۴۔

Ibrạhim: 14: 24 ۔

88۔ فاطر:۳۵: ۱۰۔

Fāṭir: 35: 10 ۔

89۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۲۰۹-۲۱۰۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy̮ Rwsẖni Main ṣ 209 - 210 ۔

90۔ الروم:۳۰: ۸۔

Al-Rũwm: 30: 8 ۔

91۔ نصیر احمد ناصر، ڈاکٹر، جمالیات، قرآن کی روشنی میں، ص۲۱۱۔

Naseer Ahamd Nasir, Doctor, Jmạliat, Qur'ận ḵy Rwsẖni Main, ṣ 211 ۔

92۔ حٰمٓ السجدۃ:۴۱: ۵۳۔

Hm Al-Sjdat۔۵۳ :۴۱ :